عُلماءِ اسلام
کے القاب و خطابات
تاریخ کی روشنی میں
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

علماءِ اسلام

کے القاب وخطابات

تاریخ کی روشنی میں

مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

نام کتاب

علماءِ اسلام کے القاب وخطابات
تاریخ کی روشنی میں

مصنف: مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ؒ

صفحات: ۴۸ قیمت: -/۱۲ روپے

طبع اول: اگست ۲۰۰۴ء

باھتمام:
محمد ناصر خان

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

فہرستِ مضامین صفحہ نمبر ۴۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

Name of the book

Ulama-e-Islam ke Alqāb wa Khitabat
Tareekh Ki Roshni Mein

Author: **Maulana Qazi Athar Mubarakpuri** *(Rahmatullahi Alaihi)*

Ist Edition: **August, 2004**

Pages: 48 Price: **Rs. 12/-** Size: 20x30/16

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House Darya Ganj, N. Delhi-2
Phones: 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486
E-mail: farid@ndf.vsnl.net.in Websites: faridexport.com, faridbook.com

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-6

علمائے اسلام کے القاب وخطابات

تاریخ کی روشنی میں

جہاں تک دینی علوم اور اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے، وہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ دین کی باتوں سے ناواقف ہو کر زندگی گزارے، یہ دوسری بات ہے کہ عام زندگی کو دیکھتے ہوئے اسلام نے ہر مسلمان کے لئے اتنا ہی علم دین ضروری قرار دیا ہے جو اس کی زندگی کے لئے کافی ہو۔

اور دینی علوم و معارف میں غور و فکر کرنا اور مسائل دینیہ اور اسلامی علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کی خاص خاص لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے۔ یہ مخصوص حضرات جو علوم اسلامیہ کے تمام پہلوؤں کے حامل ہوتے ہیں۔ ”علمائے دین اور علمائے اسلام“ کہے جاتے ہیں اور وہ اپنے علمی تنوع کے اعتبار سے مختلف القاب وخطابات سے پکارے جاتے ہیں۔

چنانچہ ابتدائے اسلام سے لے کر علمائے دین کے لئے بہت سے ایسے القاب وخطابات رائج ہیں جن کو ہم اب تک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے القاب وخطابات متروک ہو گئے ہیں۔

آج کی مجلس میں ہم آپ کے سامنے ان عام خطابات کی تاریخی اور علمی تحقیق پیش کر رہے ہیں جو امت اسلامیہ کے علمائے دین کے لئے

تھے (۱۱) عبدالحمید الکاتب، یہ بنوامیہ کے میر منشی بھی تھے (۱۲) ابوالبیداء
(۱۳) ابوعبداللہ خلفائے بنوامیہ کے خطوط وفرامین لکھا کرتے تھے (۱۴)
حجاج بن یوسف، عراق کی گورنری سے پہلے طائف میں بچوں کو روٹی لیکر
پڑھایا کرتا تھا (۱۵) یوسف حجاج کا باپ بھی معلم تھا (۱۶) علقمہ بن ابی علقمہ
مولی حضرت عائشہؓ ان کا ذاتی مکتب تھا جس میں عربیت، نحو اور علم عروض کی
تعلیم دیتے تھے (۱۷) ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن نحوی مولی بنوتمیم آپ
محدث تھے اور داؤد بن علی کے بچوں کو ادب کی تعلیم دیتے تھے (۱۸) ابوسعید
محمد بن مسلم بن ابی الوضاح قضاعی خلیفہ مہدی کے معلم تھے، محدث تھے
(۱۹) اسمٰعیل ابراہیم بن سلیمان مودب، آپ محدث تھے (۲۰) ابوعبید قاسم
بن سلام بہت بڑے عالم دین اور محدث وفقیہ تھے۔ طرطوس کے قاضی بھی
تھے، مکہ مکرمہ میں ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے (کتاب المعارف ابن قتیبہ طبع
مصر ص: ۳۳۸)۔ یہ ایک سرسری فہرست ان حضرات کی ہے جو عہد تابعین
اور تبع تابعین کے بعد تیسری صدی تک ''معلم'' کے لقب سے خاص طور
سے مشہور تھے، بلکہ بعض حضرات کے ساتھ ''معلم'' کا لفظ مخصوص ہو گیا تھا،
جیسے حسین بن ذکوان، حسین المعلم اور معقل بن یسار کے غلام حبیب، حبیب
المعلم کے ساتھ مشہور ہوئے، نیز اور کئی اہل علم معلم کے لقب کے ساتھ
مشہور ہوئے، ان میں شیخ ابونصر فارابی معلم ثانی کے لقب سے مشہور
ہوئے۔

افسوس کہ ارباب تعلیم وتعلم کا یہ پہلا اور مقدس لقب بعد میں
دوسرے القاب کی وجہ سے نہ چل سکا اور مدرس کے لفظ نے معلم کی جگہ لے

لی اور اب تو عام طور سے معلم کے بجائے مدرس کا لقب ہی استعمال ہوتا تھا۔

مقری:۔ معلم کے لئے دوسرا لفظ مقری رسول اللہ ﷺ کے
زمانے میں بولا جانے لگا مگر اس میں معلم کی طرح تعلیم کا مجموعی مفہوم نہیں تھا
بلکہ اس کی ابتداء قرآن کی تعلیم دینے والوں سے ہوئی اور اس کے مفہوم میں
خاص طور سے قرآن کے معلم کا تصور آیا، اس لقب کا اطلاق سب سے پہلے
حضرت مصعب بن عمیرؓ پر ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کی
خواہش پر ہجرت سے پہلے قرآن کی تعلیم دینے کے لئے حضرت مصعب کو
معلم بنا کر بھیجا اور اہل مدینہ نے ان کو مقری کے خطاب سے یاد کرنا شروع
کیا اور جب مکہ واپس آئے تو مقری کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، امام
طبری کی معجم کبیر میں ہے:

ورجع مصعب الی النبی ﷺ وکان یُدعَی المقری
(جمع الفوائد ج:۲ ص:۲۱۱ طبع خیریہ میرٹھ)

اور مصعب مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ان کو مقری کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

مقری کا لقب بعد میں خاص طور سے قرآن حکیم کو قرأت وتجوید سے
پڑھانے والے قاریوں کے لئے بولا جانے لگا اور فن قرأت وتجوید کے ائمہ
واساتذہ مقری اور قاری کے خطاب سے یاد کئے جانے لگے، تیسری صدی
ہجری تک جو فن تجوید کے امام ومعلم ہوئے اور ان کو مقری اور قاری کے
لقب سے یاد کیا گیا، ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

(۱) ابوجعفر یزید بن قعقاع مقری مدینہ (۲) عبدالرحمٰن سلمی کوفی
مقری بھی تھے اور فقیہ بھی (۳) شیبہ بن اضاح مقریٔ مدینہ مولیٰ ام سلمہ

آپ اپنے وقت میں قرأت میں اہل مدینہ کے امام تھے (۴) نافع بن
عبدالرحمن مقری مدینہ، آپ فن تجوید وقرأت کے زبردست اور مشہور امام
ہیں اور نافع قاری سے مشہور ہیں (۵) طلحہ بن عوف اہل کوفہ کے قاری ہیں
(۶) یحییٰ بن وثاب کوفی (۷) حمزہ زیات (۸) عاصم بن ابی النجود (۹) حمید
اعرج قاری اہل مکہ (۱۰) ابن کثیر وغیرہ وغیرہ۔

نیز بہت سے ائمہ فن اپنے نام کے ساتھ قاری اور مقری کے لقب
سے مشہور ہیں، مثلاً (۱۱) مشہور محدث اور قرأت کے امام ابوعبدالرحمن
المقری (۱۲) عبداللہ بن ابی اسحاق المقری (۱۳) سلام القاری (المعارف
ص: ۲۳۰، ۲۳۱) وغیرہ

قاری اور مقری کے القاب اس زمانہ میں خاص طور سے تجوید و
قرأت کے اساتذہ و معلمین کے لئے خاص ہوگئے ہیں۔ متاخرین میں ملا
علی قاری اس لقب سے مشہور ہیں۔

قاری:۔ جس طرح مقری کا لفظ دور رسالت میں قرآن کی تعلیم
دینے والے کے لئے استعمال ہوتا تھا، اسی طرح قاری کا لفظ قرآن پڑھنے
والے اور اس کے علوم کے حاملین کے لئے دور رسالت میں استعمال ہونے
لگا اور بعد میں یہی قراء حضرات فقیہ اور محدث وغیرہ کے القاب سے یاد کئے
جانے لگے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ثم ان الصحابة کلهم لم یکونوا اهل فُتیا، ولا کان الدِّیْنُ یوخذ
عن جمیعهم وانما کان ذلک مختصا بالحاملین للقرآن

العارفین بناسخه ومنسوخه و متشابهه ومحکمه وسائر
دلالته بما تلقوه من النبی ﷺ او ممن سمعه منهم من علیتهم
وکانوا یسمون لذلک القراء الذین یقرؤن الکتاب لان
العرب کانوا امة امیة فاختص من کان منهم قارئا بالکتاب
بهذا الاسم لغرابته یومئذ و بقی الامر کذلک صدر الملة ثم
عظمت امصار الاسلام و ذهبت الامیة من العرب بممارسة
الکتاب و تمکن الاستنباط وکمل الفقه واصبح صناعة و
علماً فبدلوا باسم الفقهاء والعلماء من القراء۔

پھر نہ سب کے سب صحابہ مفتی تھے اور نہ ہی سب سے دینی علوم حاصل کئے
جاتے تھے، بلکہ یہ بات صرف حاملین قرآن کے لئے خاص تھی جو قرآن
کے ناسخ ومنسوخ اور متشابہہ ومحکم اور اس کی تمام دلالتوں کو جانتے تھے جن کو
انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا تھا یا اجلۂ صحابہ سے سنا تھا۔ اسی
لئے ان حضرات کو قراء کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یعنی وہ لوگ جو کتاب اللہ کو
پڑھتے ہیں اس وقت عرب کے باشندے ان پڑھ تھے، اس لئے جو لوگ
قرآن مجید کو پڑھتے تھے اور اس کے علوم میں دخل رکھتے تھے ان کو اسی نام
سے یاد کیا جاتا تھا، پھر قراء کی اصطلاح کا یہ معاملہ صدر اسلام تک اسی طرح
رہا اور حاملین قرآن کو قاری کہا جاتا تھا پھر جب اسلامی شہروں کی کثرت
ہوئی اور عربوں سے امیت ختم ہوگئی اور کتاب اللہ کی تعلیم عام ہوگئی، اور دینی
مسائل کے استنباط کا طریقہ رائج ہوا اور علم فقہ مکمل ہوکر ایک خاص فن اور علم
بن گیا تو پھر قراء کی اصطلاح کے بدلے فقہاء اور علماء کی اصطلاحیں آئیں۔

جس طرح مقری کا لفظ پہلے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے لئے مقرر ہوا، اسی طرح قاری کا لقب سب سے پہلے صحابہ کرامؓ میں حضرت سعید بن عبید کے لئے مقرر کیا گیا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

وکان یسمی القاری ولم یکن احد من اصحاب رسول اللہ ﷺ یسمی القاری غیرہ۔	سعید بن عبید کو قاری کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور ان کے علاوہ صحابہ کرامؓ میں کسی کو قاری کے خطاب سے نہیں یاد کیا جاتا تھا

قاری کا لفظ صحابۂ کرامؓ میں اگرچہ سب سے پہلے حضرت سعد بن عبیدؓ حافظ قرآن کے لئے استعمال کیا گیا تھا، مگر یہ لقب حاملین قرآن کے لئے اسی زمانہ میں عام ہوگیا اور جن حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا ان کو قاری کہا جاتا تھا، ایسے کئی صحابہ کرام تھے جو مسلمان ہونے والوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے اس سلسلہ میں ان ستر قراء رضوان اللہ علیہم اجمعین کا واقعہ مشہور ہے۔ جن کو آنحضرت ﷺ نے نومسلم قبائل کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا اور راستہ میں ظالموں نے ان تمام حضرات کو دھوکہ سے شہید کردیا یا گرفتار کیا۔

اصحاب صفہ میں بھی جو حضرات تعلیم دینے پر مامور رہا کرتے تھے ان کو قاری کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، علامہ ابن خلدون کی تصریح کے مطابق یہ نام صدر اسلام تک جاری تھا، چنانچہ بنوامیہ کے خلاف جب عبدالرحمن بن اشعث نے خروج کیا اور ان کی بے راہ روی پر جہاد کیا تو ان

کی ہمنوائی میں قراء کی ایک جماعت جنگ کے لئے نکلی تھی اور علوم قرآن کے حاملین نے عبدالرحمن بن اشعث کی سرکردگی میں بنوامیہ کے منکرات اور مظالم کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا اور جنگ کی، یہ دوسری بات ہے کہ وہ ناکام ہوئے، جب قراء کی تقسیم فقہاء ومحدثین میں ہوگئی تو یہ خطاب صرف ان لوگوں کے لئے خاص ہوگیا جو قرآن کو تجوید اور قرأت کے ساتھ پڑھتے، پڑھاتے تھے اور آج تک یہ لفظ ان ہی حضرات کے لئے خاص ہے، جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے۔

حاصل یہ کہ قاری کا لقب ابتداء میں دینی علوم کے حاملین کے لئے استعمال ہوتا تھا اور پھر بعد میں ان کی تقسیم ہوئی، تو جو لوگ علم فقہ میں مشہور ہوئے ان کو فقیہ کہا گیا، جو لوگ علم حدیث میں بڑھے ان کو محدث کہا گیا، جو لوگ قرآنی علوم کی چھان بین میں اور اس کی تفسیر میں مصروف ہوئے ان کو مفسر کہا گیا جو لوگ قرآن کی تجوید وقرأت میں ماہر ہوئے ان کو مقری اور قاری کہا گیا اور جن لوگوں نے قرآن کو صرف زبانی یاد کیا ان کو حافظ کہنے لگے، پہلے حافظ کا لفظ ان محدثین کے لئے استعمال ہوا کرتا تھا جن کو بہت سی حدیثیں یاد ہوا کرتی تھیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ایسے حفاظ حدیث کا حال لکھا ہے مگر آج کل حافظ اس آدمی کو کہتے ہیں جو قرآن کو زبانی یاد رکھتا ہے۔

علامہ :۔ یہ لقب عہد رسالت میں جاری ہوچکا تھا اور ایسے لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا، جو مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے، اور ان میں تبحر کے درجہ کو پہونچتے تھے، البتہ عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین

میں اس لفظ کا رواج علمائے دین کے لئے مخصوص طور سے نہیں تھا بلکہ دوسرے علمی القاب وخطابات اور تعظیمی الفاظ کی طرح یہ بھی مستعمل ہوتا رہا۔

علامہ ابن عبدالبر اندلسیؒ جامع بیان العلم میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ان النبی ﷺ دخل المسجد فرای جمعاً من الناس علی رجل فقال و ما ھذا قالوا یا رسول اللہ ﷺ رجل علامة قال ما العلامة. قالوا اعلم الناس بانساب العرب و اعلم الناس بعربية و اعلم الناس بما اختلف فيه العرب فقال رسول الله ﷺ هذا علم لا ينفع و جهل لا يضر. (جامع بيان العم ج:۲ ص: ۲۳ طبع مصر و کنز العمال جلد:۵ ص: ۲۳۶ طبع حیدرآباد)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد شریف میں تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک آدمی کے پاس بھیڑ لگائے ہوئے ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایک علامہ شخص ہے، آپ نے فرمایا کہ علامہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ علامہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ انساب عرب عربیت، شعروشاعری اور اختلافات عرب کا عالم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کرفرمایا کہ علامہ کا علم ایسا ہے کہ نہ اس کا جاننا مفید ہے اور نہ ہی نہ جاننا مضر ہے۔

لفظ علامہ مبالغہ کا صیغہ، جس کے معنی بہت زیادہ علم رکھنے والے کے ہیں، یہ لقب کسی خاص فن یا علم کے ماہر یا عالم کے لئے نہیں ہے بلکہ

مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے کے لئے صفت کے طور پر بولا جاتا ہے، مگر عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں علمائے اسلام کے لئے یہ لفظ بطور مبالغہ کے شاید ہی استعمال ہوتا تھا، چنانچہ تاریخ ورجال کی اسلامی کتابوں میں ارباب علم وفضل کے تذکرے کیساتھ خاص منقبت کے طور پر یہ لفظ صدر اسلام اور اس کے قریبی زمانہ میں ہمیں نہیں ملتا بلکہ بعد میں اس کا اطلاق اور رواج عام ہوا۔

کامل:۔ کامل کا لقب زمانۂ جاہلیت اور صدر اسلام میں علمی اور فنی جامعیت کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، مگر اس میں علامہ کی طرح مختلف علوم میں مہارت کا تصور نہ تھا بلکہ اس میں عربی لکھنے پڑھنے کے ساتھ تیراکی اور تیراندازی کی مہارت کا تصور تھا۔

علامہ ابن سعد طبقات میں حضرت اوس بن خولی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

وکان اوس بن خولی من الکملة وکان الکامل عندھم فی الجاھلیة واول الاسلام الذی یکتب بالعربیة و یحسن الغور والرمی وقد کان اجتمع ذالک فی اوس بن خولی ۔
(طبقات ابن سعد ج:۳ قسم دوم ص:۳۹۱)

اوس بن خولی کاملوں میں سے تھے اور عربوں کے نزدیک زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام میں کامل وہ شخص ہوتا تھا جو عربی میں لکھتا تھا اور تیراکی اور تیر اندازی اچھی طرح کرتا تھا یہ باتیں اوس بن خولی میں بھی پائی جاتی تھیں۔

کامل کا لفظ بھی شروع میں بطور لقب کے استعمال ہوتا تھا اور اس

سے ان ہی تین باتوں کے مفہوم مراد لئے جاتے تھے اور علم دین کا مفہوم ضروری نہ تھا، صحابہ کرامؓ میں متعدد حضرات کامل کے لقب سے ملقب تھے، چنانچہ اسید بن حضیر حضرت سعد بن عبادہ حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہم جماعت صحابہ میں کامل کے لقب سے مشہور تھے۔ (حوالہ بالا ص: ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۴۸)

چونکہ یہ لقب خاص مفہوم کو ظاہر کرتا تھا اس لئے بعد میں علمائے اسلام کے لئے اس کا استعمال خاص نہیں رہ گیا، بلکہ بطور صفت کے استعمال ہوتا تھا۔

کاتب: ۔کاتب کا لفظ زمانۂ رسالت میں بہت ہی اہم معنیٰ کا حامل تھا اور وہ حضرات کاتب کے لفظ سے یاد کئے جاتے تھے جو وحی لکھا کرتے تھے، یا آپ ؐ کے احکام وفرامین کی کتابت کیا کرتے تھے، ایک صحابی تو کاتب کے لقب سے خاص طور سے مشہور ہوگئے تھے۔ علامہ ابن سعد طبقات میں حضرت حنظلہ بن ربیع کے متعلق لکھتے ہیں:

كتب للنبي ﷺ مرة كتاباً فسمي لذلك الكاتب۔
(طبقات ابن سعد ج: ا ص: ۳۶)

حنظلہ بن ربیع نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کیلئے کچھ لکھا تو وہ کاتب ہی کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔

جو صحابۂ کرام خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کے دربار میں وحی اور فرامین کی کتابت کیا کرتے تھے، ان کی فہرست علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں حسب ذیل دی ہے۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴)

حضرت علیؓ (۵) حضرت زبیرؓ (۶) حضرت عامر بن فہیرہ (۷) حضرت عمرو بن العاص (۸) حضرت ابی بن کعب (۹) حضرت عبداللہ بن ارقم (۱۰) حضرت زید بن ثابت (۱۱) حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی (۱۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۱۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ (۱۴) حضرت خالد بن ولید (۱۵) حضرت خالد بن سعید بن عاص۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے یہ خدمت کی ہے۔ (۱۶) حضرت معاویہؓ (۱۷) حضرت زید بن ثابت، آپ اس خدمت میں خصوصیت رکھتے ہیں، اور تمام کاتبین میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔ (زاد المعاد ج: ا ص: ا طبع مصر)

عہد رسالت میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو حضرات مکاتیب وفرامین نویس ہوتے تھے، ان کو کاتب ہی کہا جاتا تھا بلکہ بعض مصنفین کے شاگرد جو ان کے یہاں لکھنے کا کام کرتے تھے کاتب مشہور ہوئے جیسے واقدی کے کاتب علامہ محمد بن سعد صاحب طبقات، بنو امیہ اور بنو عباس کے دور خلافت میں کتابت اور انشاء کا عہدہ اس زمانہ کے سکریٹری کا ہم معنی بن گیا تھا اور سرکاری میر منشی کو کاتب کہتے تھے، اموی دور میں عبدالحمید الکاتب نے اس بارے میں بڑی شہرت حاصل کی اور فن کتابت کے اعتبار سے عربی رسم الخط میں کئی شکلیں پیدا کیں، اور اسلوب نگارش میں نئے انداز پیدا کئے، اسی طرح ابوالعباس احمد بن محمد الکاتب متوفی ۲۷۰ھ ابن عمید الکاتب ابوالفضل محمد بن عمید ابو عبداللہ، حسین بن محمد متوفی ۳۶۶ھ ابن عماد الکاتب، ابن مقلہ الکاتب ابو علی محمد بن علی بن حسین بن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ ابن انجان الکاتب، ابوالفواز بن حسین بن علی بن حسین

متوفی ۵۰۲ھ وغیرہ ہیں ۔ بعد میں کاتب کا لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جانے لگا جو خوشنویس ہوتے تھے یا فن انشاء میں درجۂ کمال کو پہنچے تھے، نیز اپنے لغوی معنی میں عام لکھنے والے کے لئے بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

مکتب : مکتب ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو عربی کی کتابت کو خوب اچھی طرح جانتے تھے اور بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے، رسم الخط کی تعلیم کے ساتھ ادب اور لغت کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔

علامہ سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں:

هذه النسبة الى تعليم الخط و من يحسن ذلك و يعلم الصبيان الخط و الادب۔

مکتب کی نسبت، رسم الخط کی تعلیم کے اعتبار سے ہے اور جو آدمی خوشنویس ہوتا ہے اور بچوں کو رسم الخط اور ادب کی تعلیم دیتا ہے اسے مکتب کہتے ہیں

مکتب کے لقب سے جو لوگ ابتداء میں مشہور ہوئے ، علامہ سمعانی نے ان کے یہ نام بتائے ہیں (۱) ابوسالم المکتب الکوفی (۲) اہل بصرہ میں سے حسین بن زکوان المعلم المکتب (۳) اہل کوفہ میں سے عتبہ بن عمرو المکتب (۴) اہل بغداد میں سے ابوالطیب محمد بن جعفر بن یزید المکتب المتوفی ۳۷۷ھ (۵) نیز اہل بغداد میں سے ابوبکر محمد بن علی بن حسن المکتب عنبری، اور عبید بن عمرو المکتب (کتاب الانساب سمعانی لفظ ''مکتب'')

مؤدب اور مکتب قریب المعنی القاب ہیں جو ذرا سے فرق کی وجہ سے الگ الگ لقب بن گئے ہیں ، ورنہ بچوں کو کتابت ، ادب اور عربیت وغیرہ کی تعلیم دونوں میں مشترک ہے، مکتب کا استعمال زیادہ نہ ہو سکا اور

بہت جلد یہ لقب متروک ہوگیا۔

منشی :۔ علامہ سمعانی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

هذه النسبة الى انشاء الكتب الديوانية والرسائل۔

منشی کی نسبت سرکاری رجسٹروں اور دفتروں اور شاہی خطوط لکھنے کی طرف ہے۔

اس کے بعد علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ حسب ذیل حضرات اس نسبت سے مشہور ہیں:

(۱) استاذ ابواسماعیل حسین بن علی بن عبداللہ الصمد المنشی اصفہانی، آپ عراق کے صدر انشاء تھے اور دنیا بھر میں آپ کے اس فن کی شہرت تھی (۲) ابوالفضل محمد بن عاصم المنشی آپ نہایت فاضل کاتب تھے، سلطان سنجر بن ملک شاہ کے یہاں انشاء کی خدمت پر مامور رہے ۵۴۱ھ یا ۵۴۲ھ میں ہرات کے اندر انتقال کیا، یہ تو متاخرین انشاء پردازوں کے مشاہیر تھے ۔ (۳) متقدمین میں سے ابوالفرج عبداللہ بن احمد حضرمی مشہور کاتب ہیں اور ابن المنشی کے لقب سے مشہور ہیں (الانساب لفظ ''منشی'')

بعد میں منشی کا لقب انشاء پردازوں اور مضمون نگاروں کے لئے استعمال کیا گیا اور آج کل عرب اخبارات و رسائل کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر کو بھی منشی کہتے ہیں۔

مؤدب :۔ مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے جیسا کہ معلوم ہوا مکاتیب ہوتے تھے، جن میں ہر طبقہ کے بچے پڑھتے تھے، مگر بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں خلفاء اور امراء کے بچوں کی تعلیم کے لئے

پڑھانے والے ان کے گھروں پر رہ کر کام کرتے تھے۔ اور امارت کی ضرورت کے مطابق دینی تعلیم کے ساتھ تاریخ، شعروادب اور اخلاق وغیرہ کی تعلیم بھی دیتے تھے، ایسے معلم حضرات ''مؤدب'' کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، اور مودب عام طور سے علم الانساب، تاریخ وسیر اور شعروادب کے ماہرین ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ فقہاء ومحدثین امراء کے بچوں کو الگ تعلیم دینے کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔

علامہ سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں:

المؤدب هذا اسم لمن يعلم الصبيان والناس الادب واللغة

مودب اس شخص کا نام ہے جو بچوں کو اور لوگوں کو علم وادب اور لغت کی تعلیم دیتا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مؤدب کے ساتھ حسب ذیل حضرات مشہور ہیں،

(۱) اہل مدینہ سے صالح بن کیسان المؤدب، بنی عفان کے مولیٰ ہیں۔ آپ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مؤدب تھے (۲) اہل بصرہ سے ابو زکریا یحییٰ بن محمد بن قیس المؤدب، آپ بنی جعفر کے مؤدب ہیں (۳) ابواسماعیل ابراہیم بن سلیمان بن رزین المؤدب. آپ آل عبید اللہ کے مؤدب ہیں (فہرست ابن ندیم ص:۱۰۲، طبع مصر) ابوسعید المؤدب بھی مشہور مؤدبوں میں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علمائے ادب ولغت اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور مؤدب کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، مثلاً ماہر انساب وعربیت شرقی ابن قطامی کو خلیفہ منصور نے اپنے لڑکے مہدی کے لئے مقرر کیا، امام ادب مفضل ...... بھی مہدی کو لغت وادب کی تعلیم

دیتے تھے (حوالہ مذکور) امام کسائی ہارون رشید کے لڑکے امین کے مؤدب تھے (کتاب الانساب سمعانی طبع یورپ لفظ ''مؤدب'') ابومحمد یزیدی مہدی کے ماموں یزید بن منصور کو پڑھاتے تھے، اسی لئے یزیدی مشہور ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ج:۱قسم اول ص:۱۷۸)، فراء نحوی مامون کے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے، امام ابن سکیت بن طاہر کے لڑکے کو ادب کی تعلیم دیتے تھے۔

مولانا:۔ یہ لقب دو لفظوں سے مرکب ہے، ایک ''مولیٰ'' اور دوسرا ضمیر ''نا''۔ مولیٰ کے معنی یہاں پر آقا اور سردار کے ہیں، اور ''نا'' جمع متکلم کی ضمیر ہے، دونوں کی ترکیب سے 'مولانا'' ہوا، جس کے معنی ہمارے سردار اور آقا کے ہیں۔

یہ لفظ اس اضافت کی شکل میں عہد صحابہ وتابعین میں علمائے دین اور دوسرے عمائد امت اور امراء کے لئے رائج ہوا، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ متوفی ۱۱۰ھ کے تذکرے میں علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ان انس بن مالک سئل عن مسئلة فقال عليكم مولانا الحسن ، فقالوا يا ابا حمزة نسألک و تقول سلوا مولانا الحسن فقال انا سمعنا و سمع فحفظ و نسينا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے ایک مرتبہ ایک سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ مولانا حسن کے پاس جاؤ، سائلوں نے کہا ابوحمزہ، ہم تو آپ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ مولانا حسن سے پوچھو اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے اور انھوں نے علم پڑھا اور سنا مگر انھوں نے

یادرکھااور ہم بھول گئے (یہ حضرت انسؓ کی کسر نفسی اور خداپرستی پر دلیل ہے)

اس میں مولانا کا لفظ خاص طور سے امام حسن بصری کے لئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے استعمال فرمایا ہے اور سائلوں نے بھی اسے دہرایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ارباب علم وفضل کے لئے یہ لفظ بولا جانے لگا تھا، البتہ اصطلاحی طور سے اس کا عام رواج نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ایک شیعی فقیہ کے تذکرے میں لکھاہے۔

الحسن بن محبوب السراد ،وھو الزراد من اصحاب مولانا الرضا ومحمد ابنه۔
(کتاب الفہرست ص:۲۰۹،طبع مصر)

حسن بن محبوب سراد جسے زراد کہتے ہیں مولانا رضا اوران کے صاجزادے محمد کے شاگردوں میں سے ہے۔

حضرت امام رضا کے لئے مولانا کا یہ لفظ بتارہا تھا کہ چوتھی صدی ہجری میں ارباب دین و دیانت اور اہل علم وفضل کے لئے یہ لقب جاری تھا۔ابن ندیم نے اپنی کتاب ۳۷۷ھ میں لکھی ہے۔البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ابتداء میں لفظ مولانا صرف علمائے دین ہی کیلئے خاص نہیں تھا بلکہ خلفاء سلاطین، امراء، وزراء اور دوسرے ارباب خدم وحشم کے لئے عوام اور خواص تعظیم کے لئے مولانا کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

چنانچہ امیر مصر کافور اخشیدی کے تذکرے میں علامہ ابن خلکان نے ابوالفضل بن عباس کا یہ دعائیہ جملہ نقل کیا ہے۔ ادام الله ايام مولانا

یعنی مولانا کے اقبال کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھے، اس عبارت میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ کافور اخشیدی متوفی ۳۵۶ھ کے لئے مولانا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے ابن خلکان ج:۲ص:۳ ملاحظہ ہو)

البتہ اب یہ لفظ صرف علمائے دین کے لئے استعمال ہونے لگا ہے بلکہ اب تو عوام کی علوم دین پر جفا کاری کا یہ حال ہے کہ بے لکھے پڑھے لوگوں کو داڑھی کو دیکھ کر مولانا کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں، اور یہ جہلاء اس پر خوش ہو کر اپنے جہل سے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

مولوی :۔علمائے دین اور دوسرے ارباب عزت وشرف کے لئے ''مولوی'' کا عظیم الشان لقب غالباً ترکی زبان کا لفظ ہے۔

صاحب غیاث اللغات نے لفظ ''مولوی'' کی تحقیق میں لکھا ہے کہ:

''مولوی بفتح میم وفتح لام منسوب بمولیٰ کہ بمعنی خداوند است بعد الحاق یای نسبت الفی را رابع بود بواو بدل شد زیرا کہ الف مقصورہ در آخر کلمہ سہ حرفی وچہار حرفی بوقت نسبت بواو بدل می شود (غیاث اللغات ص:۴۷۶)

خلاصہ یہ ہے کہ مولوی ''مولیٰ'' کی طرف منسوب ہے اور نسبت کے وقت آخر کا لفظ واو سے بدل گیا ہے۔ گویا ''مولانا'' کی طرح مولوی کا لفظ بھی ''مولیٰ'' سے بنایا گیا ہے، اور مولانا میں جمع متکلم کی ضمیر کی نسبت ہے، اور مولوی میں واحد متکلم کی ضمیر کی نسبت ہے، حالانکہ یہ تحقیق صحیح نہیں ہے اور مولوی کا لفظ ''مولیٰ'' کے لفظ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر مولوی کا لفظ مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنا ہوتا تو پھر اس پر الف اور لام داخل نہیں ہوسکتا،

حالانکہ عام طور سے ''المولوی'' لکھا ہوا پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر علامہ چلپی جیسے علوم اسلامیہ کے محقق کی کتاب ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' میں دیکھا جائے کہ جگہ جگہ مصنفین کے نام کے ساتھ ''المولوی'' لکھا ہوا ہے چنانچہ جلال الدین رومی المولوی اور شیخ اسماعیل الفردی المولوی الف لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (کشف الظنون ج:ا ص:۲۰۹) نیز اس قسم کی بہت سی مثالیں کشف الظنون اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اگر مولوی کا لفظ اضافت کے ساتھ ہوتا تو مولانا کی طرح مولوی پر بھی الف لام داخل نہیں ہوسکتا تھا۔

نیز علامہ ابوالفداء صاحبِ حماۃ کو جب سلطان مصر محمد بن قلاؤون نے حماۃ (شام) کی سلطنت دی تو ان کو ان القاب سے نوازا ''**المقام الشریف العالی المولوی السلطانی العمادی الملکی المؤیدی** ان کے شاہی القاب میں بھی ''المولوی'' کا لفظ الف لام کے ساتھ موجود ہے۔ (تاریخ صلاح صفدی)

مولانا کی طرح مولوی کا لقب بھی ابتدا میں علماء کے لئے خاص نہ تھا، بلکہ امراء وسلاطین کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا جیسا کہ ابھی ابوالفداء صاحب حماۃ ۷۳۲ھ کے لقب میں معلوم ہوا۔

ابتدا میں مولوی کا لقب نہایت عظیم الشان لقب تھا اور آج کی طرح پامال نہیں تھا۔ اس کی عظمت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ سلطان مصر محمد بن قلاؤون نے اپنے تمام امراء کو حکم دیا تھا کہ الملک المؤید ابوالفداء کے القاب میں وہ مولوی بھی لکھا کریں مگر خود سلطان مصر جب ابوالفداء کو

خط لکھا کرتا تھا تو ''مولوی'' کا لفظ اس کے لئے استعمال نہیں کرتا تھا کیونکہ اسی نے ابوالفداء کو حماۃ کا سلطان بنایا تھا۔

اس لفظ مولوی کی عظمت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ شیخ جلال الدین رومی صاحب مثنوی جیسے اونچے انسان کو مولوی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا چنانچہ ایک شعر میں ہے:

مثنوی مولوئ معنوی ــــ ہست قرآں در زبان پہلوی

مولانا روم خود ایک شعر میں فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ــــ تا غلام شمس تبریزی نہ شد

ہمارے اردو کے ایک شاعر نے مولوی کی اہمیت وعظمت کو ایک شعر میں یوں ظاہر کیا ہے۔

علم مولیٰ ہو جسے ہے مولوی ــــ جیسے حضرت مولوئ معنوی

آٹھویں صدی کے بعد ''مولوی'' کا لفظ عام طور سے مدرسین حضرات کے لئے استعمال ہونے لگا اور اس کا رواج زیادہ تر علمائے کرام کے یہاں ہوا، اور پھر وہاں سے عجم میں پھیلا حتی کہ بعض علماء مولوی زادہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آج یہی مولوی کا لفظ عوام اور خود علماء کے نزدیک بہت ہی معمولی حیثیت کا رہ گیا ہے۔ اور کسی عالم کو صرف مولوی کہنا یا لکھنا اس کی شان کم کردینے کے مرادف ہوجاتا ہے اور ویسے بھی ہر کہ ومہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ملا۔منلا۔مولیٰ :۔ ملا، منلا اور مولیٰ کے القاب بھی

مولوی کے ساتھ کی پیداوار ہیں اوران کا استعمال بھی اہل علم کیلئے ہی علماء روم سے شروع ہوا اور بڑے بڑے فضلائے روزگار اور یکتائے زمانہ ان القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الرحمٰن جامیؒ کو ملا اور منلا کہا جاتا تھا۔ ملا جلال الدین بیضاوی کے محشی منلا عوض وغیرہ اس لقب کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں، کشف الظنون میں متاخرین کے بڑے بڑے ماہرین فن اور مصنفین کے لئے یہ الفاظ ملتے ہیں، آخر زمانہ تک یہ الفاظ علمی عظمت اور فنی مہارت کی خبر دیا کرتے تھے، چنانچہ ملا محمود جونپوری، ملا مسکین، ملا محبّ اللہ بہاری، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا علی قاری جیسے اکابر علم وفضل ان القاب وخطابات کے مستحق قرار پائے ہیں، انگریزی حکومت میں بھی پہلے سرکاری امتحانات میں ملا فاضل کا امتحان ہوتا تھا اور اسکی سند دی جاتی تھی۔

استاذ:۔ یہ عجمی لفظ ہے اور غالباً تیسری صدی ہجری سے اس کا استعمال شروع ہوا، اور تلمیذ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ ابتداء میں ہرفن اور ہر علم سکھانے اور بتانے والے کو استاذ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض امراء وسلاطین کے نام سے پہلے یہ لقب لکھا اور بولا جاتا تھا۔ علامہ سمعانی کتاب الانساب میں فرماتے ہیں کہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حرف بخاری بن مولی کا لقب استاذ ہے۔

عرف بالاستاذ لانه كان يختص بدار الامير الجليل اسماعيل بن احمد الساماني و يسألونه فيها عن اشياء فيجيب فعرف بالاستاذ۔

یہ شخص استاذ کے نام سے اس طرح مشہور ہوا کہ امیر اسمٰعیل بن

احمد بن سامانی کے دربار میں حاضر باش رہا کرتا تھا اور لوگ اس سے وہاں پر ہر قسم کی باتیں دریافت کرتے تھے اور وہ جواب دیا کرتا تھا اس لئے استاذ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

چونکہ ان سے ہر قسم کے سوالات ہوا کرتے تھے، اس لئے جوابات میں یہ بہت زیادہ تحقیق کی پروانہیں کرتے تھے۔ آپ ربیع الآخر ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵/شوال ۳۴۰ھ کو بخارا میں انتقال کیا۔ (کتاب الانساب لفظ "سید مولیٰ")

استاذ، سید، مولیٰ کے علاوہ کئی اہل فن استاذ کے لقب سے مشہور ہوئے ان میں سے استاذ ابو اسماعیل حسین بن علی بن عبدالصمد منشی اصفہانی، استاذ ابراہیم موصلی، استاذ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن مہران السفرائنی، رکن الدین شافعی فقیہ متوفی ۴۱۸ھ استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن محمد بغدادی فقیہ شافعی متوفی ۴۲۹ھ

استاذ کافور ابوالمسک بن عبداللہ اخشیدی امیر کافور وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ محی الدین ابو سعید محمد بن یحییٰ نیساپوری شافعی متوفی ۵۴۸ھ کے متعلق علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ استاذ المتأخرين واوحدهم علما و زهداً۔

استاذ ابوالمنصور بغدادی، امام عبدالقاہر بن طاہر بن محمد شافعی متوفی ۴۲۹ھ وغیرہ اس لقب سے مشہور ہیں۔

شیخ الاسلام:۔ صدر اسلام میں شیخ کا لفظ اہل علم وفضل

کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ نیز اسکو اضافت کے ساتھ استعمال کر کے ان کی کسی خاص فن یا خاص علم یا خاص مقام یا خاص قوم میں علمی عظمت وشوکت ظاہر کی جاتی تھی۔

مثلاً شیخ الحرم امام ابن ابی ملیکہ، شیخ الکوفہ امام حکم بن عقیلہ ابو عمر کندی، شیخ الدیار المصریہ امام لیث بن سعد، شیخ السنۃ امام ابو بشیر ورقاء بن عمر یشکری، شیخ الحرم حضرت فضیل بن عیاض وغیرہ، پھر پہلی صدی ہجری ہی میں شیخ کا لفظ عام طور سے قرآن وحدیث کے معلمین اور اساتذہ کے لئے بولا جاتا تھا، اور اس کی جمع "شیوخ" استعمال کی گئی، اور جس طرح صاحب اور اصحاب کا لفظ فقہاء اور محدثین میں تلامذہ کے لئے استعمال ہوا، اسی طرح شیخ اور شیوخ کا لفظ اساتذہ کے لئے استعمال ہوا، اس کے بعد جب شیخ کا استعمال وسیع ہوا اور امت کے عباد وزہاد اور صلحاء اور اولیاء کے لئے اس کا استعمال ہوا تو اس کی جمع میں عام طور سے "مشائخ" کا لفظ اختیار کیا گیا۔

پھر شیخ کے لقب کو امت محمدیہ کی بعض برگزیدہ ہستیوں کے لئے علی الاطلاق بھی استعمال کیا گیا، مثلاً حضرات صحابہ کرام میں شیخین، حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، محدثین میں شیخین حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ ہیں، حنفیہ میں شیخین سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ہیں، فلاسفہ اسلام میں بو علی بن سینا شیخ الرئیس کے لقب سے مشہور ہیں۔

پھر عہد تابعین میں شیخ السنۃ، شیخ الفقہ اور شیخ الحرم، شیخ الکوفہ وغیرہ

سے ترقی کر کے شیخ کی اضافت اسلام کی طرف ہونے لگی اور اجلہ علماء دین اور ائمہ کرام کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

چنانچہ صدر اسلام میں جن حضرات کے لئے شیخ الاسلام کا لقب اختیار کیا گیا ہے، ان کے تذکرے میں علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ میں اس کا ذکر کیا گیا، مثلاً شیخ الاسلام، امام ابو عبداللہ، سفیان ثوری، شیخ الاسلام امام حماد بن سلمہ" شیخ الاسلام امام ابو بسطام شعبہ بن حجاج، شیخ الاسلام امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام امام عبداللہ بن مبارک۔

جس زمانہ میں شیخ الاسلام کے لقب کا رواج ہوا، وہ زمانہ اسلام کی حقیقت پسندی کا زمانہ تھا اور امت جن بزرگان علم وفضل کو اس لقب سے یاد کرتی تھی، وہ اسی کے قابل ہوتے تھے۔

پھر شیخ الاسلام کے لقب کا باقاعدہ رواج غالباً پانچویں صدی سے شروع ہوا اور اس میں افراط وتفریط کی جانے لگی۔ چنانچہ علامہ ابن خلکان شیخ الاسلام ہکاری ابو الحسن علی بن احمد بن یوسف متوفی ۴۶۸ھ کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

وسمعت ان بعض الاکابر قال له انت شیخ الاسلام فقال انا شیخ فی الاسلام۔

میں نے سنا ہے کہ بعض اکابر نے امام ہکاری سے کہا کہ آپ شیخ الاسلام ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اسلام کا شیخ نہیں البتہ اسلام میں ایک شیخ ہوں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ہکاری کے نزدیک اس لقب کی کیا عظمت تھی اور وہ اسے کن معنوں میں استعمال کرتے تھے۔

اخیر دور میں شیخ الاسلام کا ایک خاص عہدہ بھی مقرر ہوا اور وقت کے جلیل القدر علماء کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، سلاطین آل عثمان کے دور میں شیخ الاسلام کو سلطان کے بعد سب سے زیادہ محترم ومکرم سمجھا جانے لگا۔

ہندوستان میں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الادب اور شیخ الفقہ کا مفہوم ان علوم کے اساتذہ کے لئے ہوتا ہے اور ان القاب کے استعمال میں انتخاب کا معیار بہت بلند نہیں رہا۔

قطب الدین وغیرہ :۔ قطب الدین، جلال الدین، جمال الدین، فخر الدین اور اسی قسم کے دین کی نسبت کے القاب بہت بعد کی پیداوار ہیں، اور اس ذہن کا نتیجہ ہے جو اسلامی علوم ومعارف پر عجمی خیالات وتصورات کی طرف سے چوتھی صدی اور اس کے بعد سے ہونے لگا تھا، صدر اسلام سے لیکر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور تک ہمیں علماء اور امراء کے لئے اس قسم کے القاب کا کوئی نشان نہیں ملتا، مگر پانچویں صدی اور اس کے بعد کے زمانوں میں اس کی بھرمار ہے، طوائف الملوکی کے امیروں اور مختلف مذاہب کے عالموں اور طریقت کے مشائخ میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ''الدین'' کی نسبت والے لقب سے ملقب نہ ہوں اس سلسلے میں علامہ ابن جبیر اندلسیؒ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے جنھوں نے چھٹی صدی ہجری کے اخیر میں اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔

آپ تمام مشرقی ممالک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان ممالک کی حکومتیں اندلس کی طرح طوائف الملوکی کے طور پر ہوتی ہیں اور اس نواح

کے تمام حکمرانوں نے اپنے ناموں کو لفظ ''دین'' سے رونق دی ہے (جیسے قطب الدین، نورالدین، صلاح الدین) ہر شخص کے نام کے ساتھ ایک ہیبت ناک لقب سننے میں آتا ہے، لیکن صفات القاب میں سے کوئی حسن اس کی ذات میں نظر نہیں آتا، ایسے القاب خاص وعام شاہ وگدا سب میں برابر ہیں ان لوگوں میں کسی کے ایسی خصائل اور عادات نہیں سنے گئے جو اس کے مناسب ہوں یا اس کے نام اور القاب کی رونق کا باعث ہوں البتہ صلاح الدین حاکم شام ومصر وحجاز ویمن (یعنی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ) کا شہرہ عدل وانصاف اس کے نام اور لقب کے مطابق معلوم ہوتا ہے بجز اس کے دوسرے نام کے ساتھ اس لقب کو شامل کرنا گویا ہوا باندھنا اور دعویٰ بے دلیل کرنا ہے،

القاب مملكة فی غیر موضعها
كالهر یحكی انتفاخا صولة الاسد

نامناسب لوگوں کے لئے مملکت کے القاب گویا وہ بلی ہیں جو پھول کر شیر کے حملہ کی نقل اتارتی ہے (ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر ص: ۲۱۸)

مشرقی ممالک اسلامیہ میں چھٹی صدی کے اخیر کا یہ حال تھا کہ ہر چھوٹا بڑا، امیر، عالم، اور صوفی اس قسم کے بڑے بڑے القاب وخطابات کا مستحق قرار دیا جاتا تھا، اور بڑے بڑے علماء اسلام کی طرح چھوٹے چھوٹے امراء اور معمولی لکھے پڑھے لوگ بھی اپنے نام کے ساتھ الدین کی نسبت کا فخر رکھتے تھے،

بعد میں اس لقب سے اس قدر دلچسپی بڑھی کہ لوگ عام طور سے

اس قسم کے القاب کو مستقل نام کے طور پر استعمال کرنے لگے چنانچہ یہ رواج آج بھی جاری ہے اور شمس الدین قمر الدین وغیرہ عام لوگوں کے نام کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور کسی کو اس عظمت اور نسبت کا تصور تک نہیں ہوتا۔

پرانے بزرگوں میں بھی ''الدین'' کے ایسے القاب ملتے ہیں جو اب ان کے اصل نام کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور ان کی شہرت کی وجہ سے لوگ اصل نام کو بہت کم یاد رکھتے ہیں۔

چنانچہ شیخ جلال الدین رومی (صاحب مثنوی)، شیخ شہاب الدین سہروردی، امام فخر الدین رازی، علامہ نظام الدین شاشی، شیخ برہان الدین مرغینانی وغیرہ کے اصل نام آج بغیر کتابوں کی مراجعت کے معلوم نہیں ہو سکتے۔

گویا صدر اسلام سے لیکر تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک جس طرح ارباب علم وفضل اب، ابن، ام کی کنیت یا مقام، پیشہ اور فن کی نسبت یا اور کسی عرفیت کے ساتھ مشہور ہوا کرتے تھے اسی طرح پانچویں صدی کے بعد سے دین کی نسبت باعث شہرت قرار دی گئی اور خال خال حضرات کنیت، نسبت اور عرفیت سے مشہور ہوئے۔

جناب :۔ جناب کا لفظ آجکل ہر عالم اور غیر عالم کے لئے بطور تکریم وتعظیم کے ناموں کے شروع میں بولا جاتا ہے یہ طرز بالکل نیا اور عجمیت کی پیداوار ہے، عربی کے قدیم محاوروں میں اس لفظ کا اس طریقہ پر اطلاق کسی دور میں نہیں ملتا ہے، جناب کے معنٰی صاحب مختار الصحاح نے یوں بیان کئے ہیں۔ ''الجناب بالفتح الفناء و ما قرب من محلة

القوم جناب کے معنٰی دروازہ کے باہری صحن اور اس جگہ کے ہیں جو قوم کے محلہ کے آس پاس ہو۔

بعد میں جناب دربار اور ڈیوڑھی کے معنٰی میں استعمال ہوا، چنانچہ الی جنابکم اور فی جنابکم وغیرہ اسی کو بتاتے ہیں ہندوستان میں اس کا استعمال نام کی ابتدا میں محترم اور گرامی کے ہم معنٰی ہے اور عرب ممالک میں الیٰ جناب الفلان فی جنابه کا مفہوم ہمارے لحاظ سے ''بخدمت فلان'' ہوتا ہے۔

صاحب :۔ صاحب کا لفظ ابتدا میں اپنے لغوی معنٰی میں خاص خاص علماء کے ساتھ بطور نسبت کے استعمال ہوتا تھا اور ایک عالم کے کسی خاص علم اور خاص فن میں مہارت کو بتاتا تھا مثلاً محمد بن اسحاق صاحب السیرۃ، ابو صالح صاحب التفسیر، امام ابو حنیفہ صاحب الرائے، امام زفر صاحب الرائے اسی طرح عہد تابعین میں جو عالم جس فن میں زیادہ شہرت رکھتا تھا اس کی نسبت صاحب کے ذریعہ اس فن کی طرف کردی جاتی تھی۔

اور محدثین اصحاب الحدیث اور فقہاء اصحاب الفقه و الرای کہلائے۔

اسی طرح بعض کتابوں کے مصنفین اپنی کتاب سے مشہور ہوئے اور بعض دوسری چیزوں میں صاحب سے مشہور ہوئے مثلاً محمد بن عبدالکریم صاحب الملل و النحل، محمد بن موسیٰ صاحب الخیل محمد بن عباد صاحب قرطبه، عز الدین مسعود صاحب موصل خطیب بغدادی صاحب تاریخ بغداد، حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین، ازہری صاحب

اللغة، بستانی صاحب الزیج یاقوت حموی صاحب معجم البلدان، شہرستانی
صاحب الملل، بخاری صاحب الصحیح، میدانی صاحب مجمع
الامثال۔

پھر اسی زمانہ میں صاحب کا لفظ شاگرد اور تلمیذ کے معنی میں بھی
استعمال کیا جانے لگا مثلاً ابوہریرہؓ کے تلمیذ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج
متوفی ۱۱۷ھ صاحب ابی ہریرہ، اشعث بن عبدالملک متوفی ۱۴۶ھ اشعث
صاحب الحسن، معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ معمر صاحب عبدالرزاق، ابوثور
صاحب شافعی اور غندر متوفی ۱۹۴ھ غندر صاحب شعبہ پھر یہ معنی عام ہوا اور
ہر استاذ کے شاگردوں اور فکروعلم کے ہم مکتب لوگوں کے لئے اصحاب کا
استعمال ہونے لگا جیسے اصحاب ابی حنیفہ، اصحاب شافعی، اصحاب مالک،
وغیرہ۔

اسی طرح صاحب، شیخ اور اصحاب شیوخ کے مقابلہ میں استعمال
ہونے لگا۔

اب سے پہلے صاحب کے لفظ کو اضافت اور شاگردی کے مفہوم
سے علیحدہ کرکے جس کے لئے بطور لقب کے استعمال کیا گیا وہ عہد عباسی کا
مشہور کاتب اور میر منشی صاحب بن عبادہ ہے اسکا نام اسماعیل اور کنیت ابو
القاسم ہے مگر اس میں خلفاء اور امراء کی صحبت کی وجہ سے صاحب کے لقب
سے شہرت پائی (فہرست ابن ندیم ص:۱۹۴، ابن خلکان)

اسی طرح صاحب کے لقب کی ابتدائی تاریخ عزت وعظمت کے
ساتھ مرتب ہوئی اور یہ تصور بعد میں قائم رہا چنانچہ ابتدا میں ہندوستان کے

لوگ انگریزوں کو صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

بہر حال اب علماء اور دوسرے بڑے لوگوں کے ناموں کے آخر
میں صاحب کے لفظ کا استعمال بالکل عجمی ذہن اور عجمی ترکیب کی پیداوار
ہے۔

غالباً اس طرح صاحب کے استعمال کا رواج ہندوستان میں
عروج پذیر ہوا کیونکہ ہم تاریخ ورجال کی آخر دور کی کتابوں میں بھی صاحب
کا لفظ موجودہ استعمال کے مطابق نہیں پاتے بلکہ اس کو مضاف کی شکل میں
لکھا جاتا ہے مثلاً صاحب العزت صاحب الفضیلت وغیرہ اس
طرح صاحب کا لفظ قدیم استعمال کے ساتھ عرب ممالک میں آج بھی
جاری ہے مگر ہندوستان میں اس کا استعمال صرف عزت وعظمت کے اظہار
کے لئے رہ گیا ہے گویا یہ مضاف الیہ کو حذف کرکے مضاف ہی پر اکتفاء کرلیا
گیا۔

عبقری :۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس میں محیر العقول اور
اعجوبہ روزگار حالت پائی جائے۔ یہ صرف علماء دین یا انسانوں ہی کے لئے
خاص نہیں ہے۔ بلکہ بطور مبالغہ کے ہر چیز کے لئے اس کا اطلاق ہوتا ہے
۔قرآن حکیم میں ہے عبقری حسان، عبقری کے لقب کا تذکرہ
ہمارے لئے کچھ زیادہ ضروری نہیں مگر چونکہ لفظ نادر ہے اور اس کے ماخذ
سے عام طور سے ناواقفیت ہے اس لئے ہم نے ذکر کردیا، لغت کی کتابوں
میں ہے:

العبقر بوزن العنبر موضع تزعم العرب انه ارض الجن

ثم نسبوا اليه كل شئ تعجبوا من حذقه أو جودة صنعته فقالوا عبقری وهو واحد وجمع والانثیٰ عبقرية يقال ثياب عبقرية حتی قالوا ظلم عبقری وهذا عبقری قوم للرجل القوی۔

عبقر بروزن عنبر ایک جگہ کا نام ہے جو عربوں کے گمان میں جنات کے رہنے کی جگہ ہے۔ پھر ہر ایسی چیز جس کی بہتری یا عمدگی سے انہوں نے تعجب کیا، اسکو اسی کی طرف منسوب کر کے عبقری کہا، عبقری واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مونث عبقریہ ہے، عربی کے محاورہ میں ثیاب عبقریہ بہترین کپڑوں کو کہتے ہیں اور ظلم عبقری بڑے ظلم کو کہتے ہیں اور عبقری قوم قوی اور تنومند آدمی کو کہتے ہیں۔

اس طرح عبقری تعجب انگیز، محیر العقل اور نادرونایاب چیزوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا، اور عبقریت کوندرت اور عمدگی کے مترادف سمجھا جانے لگا۔

اور جہاں اور چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے وہیں اربابِ علم و فضل کے لئے بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔

دیگر خاص خاص القاب:۔ مذکورہ بالا القاب و خطابات تو عمومی ہیں اور ان کا اطلاق عام طور پر ہوتا ہے، کچھ ایسے القاب بھی ہیں جو خاص خاص علمائے دین اور اربابِ علم وفضل کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور وہ ان ہی تک محدود رہے ہیں جن سے انکی امتیازی صفت اجاگر ہوتی ہے۔

مفتی المدینہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

ترجمان القرآن ربانی الامۃ، حبر الامۃ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حکیم الامۃ۔ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابومسلم الخولانی۔

مفتی مصر: حضرت امام مرثد بن عبداللہؒ

الامام الاعظم: نعمان بن ثابت ابوحنیفہؒ

اسد السنۃ حضرت امام اسد بن موسیٰؒ

باقر: حضرت امام محمد بن علی، ابوجعفرؒ

خیاط السنۃ: حضرت امام زکریا بجستانیؒ

زین العابدین۔ حضرت امام علی بن حسین۔

امام الحرمین۔ حضرت ابوالمعالی عبدالملک بن شیخ ابومحمد عبداللہ جوینی شافعیؒ

صادق: حضرت امام جعفر بن محمدؒ

ملک النحاۃ۔ ابونزار حسن بن ابی الحسن صافی نحوی

فقیہ الامۃ۔ حضرت امام مالکؒ

بدیع الزماں۔ ابوالفضل احمد بن حسین ہمدانیؒ

فقیہ العراق۔ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ

جار اللہ۔ ابوالقاسم محمود بن عمر وزمخشری، خوارزمی

فقیہ المدینۃ: حضرت امام ابوالزناد اور حضرت امام سعید بن مسیّب

اعلام النحو ابوالحجاج یوسف بن سلیمان نحوی شنتمری۔

مسند العراق۔ حضرت امام علی بن عاصم واسطیؒ

علمائے اسلام کے القاب وخطابات کے سلسلے میں یہ چند باتیں درج کی گئی ہیں۔ جن سے فی الجملہ ان القاب وخطابات پر روشنی پڑ جاتی ہے

جو صدر اسلام سے لے کر آج تک علمائے دین کے لئے مختلف طریقوں اور مختلف معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں، اس موضوع پر اس سے زیادہ تحقیق اور بسط کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ علماء کو ان القاب و خطابات کا اہل بنائے۔

مذکر: ذکر کا لفظ تذکیر سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی یاد دلانے والے اور نصیحت کرنے والے کے ہیں۔ مذکر کا لقب سب سے پہلے قرآن حکیم نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے اور آپ کو "انما انت مذکر" فرمایا ہے۔ نیز قرآن کریم میں مختلف مقامات پر تذکیر کا لفظ یاد دہانی اور وعظ و نصیحت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً وذکر فان الذکری تنفع المومنین وغیرہ

بعد میں وعظ و نصیحت کرنے والے علماء کے لئے یہ لقب خاص ہو گیا۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔

مذکر کا لفظ وعظ و نصیحت کرنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔	هذه اللفظة لمن يذكر و يعظ (کتاب الانساب ورق: ۵۱۷)

یہ لفظ بعد میں خاص وظیفہ اور خاص طبقہ کے لئے بولا جانے لگا اور تقریباً واعظ کے ہم معنی سمجھا جانے لگا۔ اور چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد تک ان واعظین کو مذکر کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا جن کے خاص خاص فنی حدود اور اصول ہوا کرتے تھے۔ علامہ مقدسی بشاری نے احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم میں (جو ۳۷۵ھ کی تصنیف ہے) ہر اقلیم

اور ہر مقام کے تذکروں کا حال خاص طور سے بیان کیا ہے۔ مثلاً اقلیم شام کے شہر ایلیا کے بیان میں لکھتے ہیں:

والمذكرون به قصاص واصحاب ابى حنيفه بالمسجد الاقصىٰ مجلس ذكر يقرؤون فى دفتر وكذلك الكرامية فى خوانقهم (احسن التقاسیم ص: ۱۸۲ طبع لندن)

ایلیا میں مذکر قصہ گو ہوتے ہیں اور حنفی مذکروں کیلئے مسجد اقصیٰ میں وعظ کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ جس میں وہ کتاب میں دیکھ کر وعظ کہتے ہیں اسی طرح فرقہ کرامیہ کے لوگ اپنی خانقاہوں میں کتاب لیکر وعظ و تذکیر کرتے ہیں،

اقلیم خراسان کے بیان میں لکھتے ہیں:

اقلیم خراسان علم و فقہ میں تمام اسلامی ممالک سے بڑھی ہوئی ہے یہاں کے مذکروں کا عجیب شہرہ ہے۔	هو اكثر الاقاليم علماً و فقهاً وللمذكرين به صيت عجيب۔ "حوالہ بالا ص: ۳۲۳)

اسی اقلیم کے واعظوں اور مذکروں کے بارے میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ويذكرون ببلاد فاتر فاما بمرو وسرخس، فلا يذكر الا فقيهٌ او مفسرٌ، وسائر الاقليم كل من اراد ورسم اصحاب ابى حنيفة يذكرون فى هذا الثلاث بلدان التى ذكرنا بمستملى (حوالہ بالا ص: ۳۲۷)

یہاں مذکر حضرات بلا کتاب سامنے رکھے وعظ کہتے ہیں اور مرو اور سرخس میں فقیہ اور مفسر کے علاوہ کوئی دوسرا شخص وعظ نہیں کہہ سکتا ہے۔ اور ان تین شہروں کے علاوہ باقی پوری اقلیم خراسان میں جو چاہتا ہے وعظ کہتا ہے، ان تینوں شہروں میں احناف مستملی کی مدد سے وعظ کہتے ہیں۔

مستملی:۔ مستملی وہ لوگ ہوتے تھے جو فقہاء ومحدثین کی درس گاہوں میں اس لئے رہتے تھے کہ ان کی آواز کو مجمع تک پہونچائیں۔ ایک ایک محدث اور فقیہ کی درسگاہ میں بعض اوقات کئی کئی مستملی حضرات ہوتے تھے، مستملی کے لغوی معنی ''املاء'' کرانے والے کے ہیں، استاذ جو کچھ بولتا اور روایت کرتا تھا اسے مستملی لوگ حلقۂ درس تک پہونچاتے تھے۔ ہمارے زمانہ میں اب بڑے مجمع کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال ہونے لگا ہے۔ اور اب استملاء کا عہدہ گویا ختم ہوگیا ہے۔

مسلمانوں کا قدیم طرز تعلیم تقریباً وہی تھا جو آج کل اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لکچر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اقلیم دیلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ورسمهم بجرجان ان التذكير للفقهاء واهل الروايات (احسن التقاسیم ص:۳۸٦)

جرجان میں وعظ وتذکیر فقہاء اور اہل روایات کے لئے مخصوص ہے۔

مقام ''رے'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولمذكريهم فن (حوالہ بالا ص:۳۹۱)

یہاں کے مذکروں کو وعظ گوئی کا خاص فن حاصل ہے۔

خود ہمارے ملک ہندوستان کے بارے میں اقلیم سندھ کے بیان میں کہتے ہیں۔

وليس للمذكرين به صيت ولا لهم رسوم، تذكير
حوالہ بالا ص:۴۸۱

یہاں پر مذکروں اور واعظوں کا چرچا نہیں ہے، اور ان کے یہاں وعظ ونصیحت کی رسمیں نہیں پائی جاتی ہیں۔

ہم نے یہاں اپنے موضوع سے ہٹ کر تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں میں وعظ وتذکیر کے کیا آداب و رسوم تھے اور کس کس درجہ کے علماء اس منصب پر فائز تھے، اور مسلمانوں کے ملکوں میں اس چیز کو کس قدر اہمیت حاصل تھی۔

علامہ سمعانیؒ نے کتاب الانساب میں چند مشہور مذکروں کا حال لکھا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابومحمد عبدالواحد بن احمد زہری المذکر آپ صائم الدہر تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اولاد میں سے تھے۔ ہر دوسرے دن ایک ختم قرآن پڑھتے تھے ۳۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔

ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذمان المذکر رازیؒ كان مليحا ظريفاً، آپ نہایت ہنس مکھ اور باذوق واعظ تھے، علم حدیث کے ساتھ تصوف کے اسرار ورموز سے واقف تھے ۳۷٦ھ میں فوت ہوئے۔

ابوبکر محمد بن علی بن حسین المذکر المؤدب نیساپوری: آپ کوچہ عیسیٰ بن ماسرخس میں مؤدب تھے اور اسی محلہ کی مسجد میں وعظ وتذکیر فرماتے تھے ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن عمر المذکر نیساپوری ۳۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ ابومحمد عبداللہ بن ابی القاسم عمر بن عبداللہ بن ہیثم المذکر اصفہانی۔

كان دينا فاضلا ، خيرا مكثرا من الحديث. (کتاب الانساب ص:۵۱۸)	آپ نہایت ہی دیندار، فاضل، صاحب خبر تھے اور آپ علم حدیث میں بہت زیادہ دخل رکھتے تھے

ایک زمانہ میں مسلمانوں کے واعظ و مذکر ارباب علم وفضل ہوتے تھے، مگر بعد میں اس وظیفہ پر جہلاء قابض ودخیل ہو گئے، اور عالم نما جاہل واعظ کا پیشہ اختیار کر کے عوام کو غلط روایات اور جھوٹے قصوں سے گرمانے لگے۔

واعظ :۔ واعظ اور مذکر دونوں ہم معنی ہیں اور غالباً واعظ کی اصطلاح مذکر کے مقابلہ میں نئی ہے۔ علامہ سمعانی نے مشہور واعظین میں ان حضرات کا ذکر کیا ہے: ابوالقاسم بکر بن شاذان مقری الواعظ، آپ نہایت صالح، بزرگ اور ثقہ تھے۔ تہجد کی نماز کثرت سے ادا کرتے تھے۔ ۴۰۵ھ میں انتقال فرمایا۔ ابونصر عبدالرحمٰن بن محمد بن جعفر عقیلی الواعظ ب آپ وعظ میں نہایت ہی خوش کلام تھے اور اس فن میں بہت آگے تھے۔ بزرگوں اور صالحین کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ (حوالہ ص:۵۷۷)

محتسب :محتسب کا لقب اور خطاب ان علمائے کے لئے تھا جو عوام کے احتساب کی خدمت انجام دیتے تھے اور اور برائی سے روکتے اور

اچھائی کی تعلیم دیتے تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔

هو ان يامر الناس و ينهى عن المنكر۔	احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وظیفہ کا نام ہے۔

مسلمانوں کے دور اقبال میں اس عہدہ پر بڑے بڑے ارباب دین و دیانت فائز ہوتے تھے اور خود نیک ومتقی بن کر دنیا کو نیکی کی دعوت دیتے تھے۔ ان کا مقام مذکر اور واعظ سے بلند تھا اور ان کا وظیفہ ان سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ چند مشہور محتسب حضرات کے نام یہ ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن یحییٰ بن اشعث بخاری المحتسب۔ فقیہ ابوحفص، احمد بن اجعد بن حمران المحتسب ابونصر منصور بن محمد بن احمد حرب المحتسب ابوالحسن احمد بن علی بن حسین بن محمد بن حسنین بن موسیٰ بن موسیٰ المحتسب۔ (کتاب الانساب ص:۲۰۴)

خطیب :۔ خطیب کا لقب خطبہ اور خطابت سے ماخوذ ہے، علامہ سمعانی لکھتے ہیں۔

هذه النسبة الى الخطابة على المنابر۔ (حوالہ بالا ورق ۲۰۴)	خطیب کی نسبت منبروں پر خطابت کرنے کی طرف ہے۔

خطیب کا لفظ ابتداء ہی سے مقرر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ البتہ بعد میں وظیفۂ خطابت سے تعلق رکھنے والے علماء کے لئے بولا جانے لگا اور عام طور سے خطیب وہ علماء کہلائے جو جامع مسجدوں میں جمعہ کے دن منبروں پر خطبہ دیتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے۔ آج کل بھی خطیب اسی معنی

میں استعمال ہوتا ہے، چند مشہور خطباء کے نام یہ ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادیؒ، صاحب تاریخ بغداد، شعیب بن شیبہ خطیب بصریؒ ان کو خطیب منبر کی خطابت کی وجہ سے نہیں کہا جاتا تھا۔ بلکہ ان کی فصاحت و بلاغت اور حسن کلام کی وجہ سے خطیب کا لقب دیا گیا تھا۔

ابومحمد عقیل بن عمرو بن بکر بن سلیمان خطیب نیساپوریؒ، سب سے پہلے ان کے دادا بکر کو خطیب ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ پھر ان کے والد عمرو خطیب ہوئے، ابومحمد عقیل نیساپور کے حاکم بھی تھے، جب حاکم ہوتے تو خود ہی خطابت کی خدمت انجام دیتے اور جب دوسرا حاکم ہوتا تو بھی آپ ہی خطبہ دیتے، خطبہ میں ان کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے۔ اخوانی لا بد من القضاء فليت شعری این الملتقی، ٢٨٦ھ میں انتقال کیا۔

(کتاب الانساب ورق:٢٠٥)

بعد میں خطیبوں کے لئے خاص خاص لباس ہوتے تھے، اور وہ حضرات عباء وقباء وغیرہ پہن کر خطابت کے لئے ممبروں پر آتے تھے۔

خراسان کے خطیب چادر، عباء اور قباء نہیں پہنتے تھے، بلکہ دراعہ نامی لباس استعمال کرتے تھے۔ علامہ مقدسی لکھتے ہیں۔

ولا يتردى الخطيب ولا يتقبى انما عليه دراعة ولا يسرع الخروج (احسن التقاسیم ص:٣٢٧)

یہاں کا خطیب جمعہ کا خطبہ دیتے وقت چادر اور قباء نہیں پہنتا بلکہ اس کے بدن پر دراعہ ہوتا ہے یہاں پر خطیب اپنے حجرہ سے نکلنے میں جلدی

نہیں کرتا۔

خطیب اور جامع مسجد گویا مترادف الفاظ ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے۔ ان خطیبوں کے لئے صاحب علم وفضل ہونے کے ساتھ شیریں بیان اور مؤثر انداز خطابت کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔

مزکی:۔ مزکی کا لفظ تزکیہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی صفائی کرنے کے ہیں۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں:

هذا اسم لمن يزكي الشهود ويبحث عن حالهم و يبلغ القاضي حالهم. (الانساب ورق ٥٢٦)

مزکی اس آدمی کو کہتے ہیں جو گواہوں کی صفائی کرتا ہے اور ان کے حالات کا پتہ چلا کر قاضی یعنی جج کو انکی صحیح صورت حال سے مطلع کرتا ہے۔

اسلامی عدالت کے گواہوں کے حالات اور معاملات کی تحقیق کے لئے جو حضرات مقرر ہوتے تھے اور وہ عوام کے ظاہری اور باطنی حالات سے واقف ہوتے تھے، غالباً ہم نے کہیں پڑھا ہے کہ یہ حضرات محلہ وار ہر ہر آدمی کے نام اور حالات کا ریکارڈ اپنے رجسٹروں میں رکھا کرتے تھے اور بوقت ضرورت عدالت میں جا کر گواہوں کی توثیق کیا کرتے تھے۔ علامہ مقدسی خراسان کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

و يشهد كل واحد في كل شئ غير ان في كل بلدة عدةمن المزكين فان طعن الخصم على الشاهد سئل عنه المزكي ولا يتحنك فيه الافقيه او رئيس (احسن التقاسیم ص:٣٢٧)

یہاں پر ہر آدمی ہر معاملہ میں گواہی دے سکتا ہے۔ البتہ ہر شہر میں

متعدد مزکی ہوتے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ اگر مقدمہ میں مخالف آدمی دوسرے کے گواہ کو جھوٹا کہتا ہے۔ یا اسے غیر معتبر بتاتا ہے تو عدالت کی طرف سے اس مزکی سے اس کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے، اور اس عہدہ پر فقیہ یعنی عالم اور ذمہ دار ہی فائز ہوتا ہے، دوسرا نہیں ہوسکتا، بلکہ بہت سے مقامات پر بہت سے گھرانے نسلاً بعد نسلٍ اس خدمت پر مامور کئے جاتے تھے، اور ان کی دیانت پر اعتبار کرتے ہوئے ان کے خاندان والوں کو مزکی بنایا جاتا تھا۔ علامہ سمعانی کتاب الانساب میں فرماتے ہیں۔

واشتهر بهذا نيسابور بيت كبير فيهم جماعة من المحدثين الكبار۔

مزکی کے وظیفہ اور عہدہ میں نیساپور کا ایک بہت بڑا گھرانہ مشہور ہوا ہے جس میں بڑے بڑے محدث گذرے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان ہی میں سے ابو اسحاق ابراهيم بن محمد بن يحيىٰ المزكي شيخ نيساپور في عصره ۔ ان کے بیٹے یحییٰ بن ابراہیم مزکی اور ان کے علاوہ یہ حضرات بھی مزکی ہیں۔ ابو حامد احمد بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی۔ آپ کے والد بھی مزکی تھے۔ كان صالحاً، ورعاً متهجداً ناسكا ۔ آپ نہایت صالح، متقی، تہجد گزار اور عابد بزرگ تھے۔ ابو الفضل المزكي كان ابو الفضل محدث وقته والمزكي في عصره ۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مزکی تھے۔ (الانساب ورق:۵۲۶) جیسا کہ معلوم ہوا اس عہدہ پر بڑے ثقہ اور معتبر علمائے دین یا اعیان واشراف رکھے جاتے تھے۔ اور ان کے بیان پر

گواہوں کی گواہی موقوف تھی۔

معدل :۔ معدل کا لقب عدل سے ماخوذ ہے جس کے معنی عدل وانصاف کرنے والے یا کام کو صحیح طور پر انجام دینے والے کے ہیں۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔

هذا اسم لمن عدل وزكي وقبلت شهادته عند القضاة۔ (الانساب، ص:۵۳۶)

معدل کا خطاب ہر اس شخص کے لئے ہے جو عادل ومزکی ہو اور قاضیوں کی عدالت میں اس کی شہادت قبول کی جاتی ہو۔

گویا معدل اور مزکی قریب المعنیٰ ہیں اور تقریباً دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ معدل حضرات میں ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المعدل، اور ابونصر احمد بن عبدالباقی المعدل زیادہ مشہور ہیں اور اسی طرح ابواسحاق مزکی بھی اعیان شہودین میں سے تھے۔ (حوالہ بالا ص:۵۲۶)

اگر ہم علمائے اسلام کے القاب وخطابات کو زیادہ وسعت کے ساتھ بیان کریں اور ان کے کام اور وظیفے کا ذکر کریں تو موضوع بدل جائے گا اور بات بہت طول پکڑ جائے گی۔

استدراک معلم : جماعت صحابہؓ میں آنحضرت ﷺ نے صرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو معلم کے لقب سے نوازا تھا اور آپ بعد میں بھی صحابہ کرام کے اندر اس لقب سے مشہور تھے۔

علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں حفاف بن ایماء سے روایت کی

ہے کہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔

فاذا خطب عمر سمعته يقول اشهد انك معلم۔

اور جب حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ پڑھتے تھے تو میں عبدالرحمن بن عوف کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ معلم ہیں۔

یہ جملہ سن کر اس کے راوی عبدالرحمن بن ابی الزناد نے تعجب کیا تو ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ

ان رسول الله ﷺ قال ما من نبی الا فی امته معلم او معلمان وان یکن فی امتی أحدٌ فهو عمر بن الخطاب ان الحق علی لسان عمر وقلبه (طبقات ابن سعد ج:۲ قسم:۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کی امت میں دو ایک معلم ہوا کرتے تھے، اور اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حق عمر کی زبان پر اور ان کے دل میں ہے

چوتھی صدی ہجری تک عالم اسلام کے بعض علاقوں میں عام طور سے علمائے دین کو معلم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ لفظ بطور لقب کے ان کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ علامہ مقدسی بشاریؒ جنھوں نے ۳۷۵ھ میں اپنی کتاب لکھی ہے، اقلیم دیلم کے بیان میں لکھا ہے کہ:

یسمون العالم معلما و ربما تعلقوا بی وقالوا لوک معلم واللوک هو الجید (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص:۳۶۹، طبع لیڈن)

یہاں کے لوگ عالم کو معلم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہ لوگ بسا اوقات مجھ سے لوگ معلم یعنی جید عالم کہہ کر لپٹ جاتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قومس، جرجان، شہرستان، طبرستان، آمل، دیلمان، خزر، والغان، سمنان، بسطام، بیار، استرآباد طالقان وغیرہ ہیں۔ اس زمانہ میں علماء کو معلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ علامہ مقدسی نے ان تمام مقامات کو اقلیم دیلم میں شمار کیا ہے۔ (از ماہنامہ "البلاغ"، بمبئی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین